فکری انتہا پسندی اور اعتدال و توازن
(اسلامی تعلیمات اور ملکی حالات کا تجزیہ)

حافظ اِکرام الحق *

اِسلام سلامتی اور عدل کا دین ہے، یہ عدلِ انفرادی کا قیام بھی یقینی بناتا ہے اور عدلِ اجتماعی کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ [النحل۱۶:۹۰] (اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ عدل کا معنیٰ ہر چیز کو اس کا اصل مقام دینا ہے اور احسان اس سے بھی اگلا قدم کہلاتا ہے جس سے مراد کسی کے حق سے بڑھ کر اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔ باہمی تعلقات کے لیے یہ اسلام کی عمومی تعلیم ہے اور اس کی مثالیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر معاشرے کے مختلف طبقات سے دی گئی ہیں۔ اس مقالے کا عنوان چونکہ فکری انتہا پسندی میں اعتدال کی راہیں تلاش کرنے کے بارے میں ہے اس لیے اس کی ابتداء ایک قرآنی اصول سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو فکری اختلاف کی بنا پر اعتدال کا دامن نہ چھوڑنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ[المائدہ۵:۸] (اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے)۔ اعتدال نہ ہو تو تعصب پیدا ہوتا ہے، پھر شدت پسندی آتی ہے اور اس کی مزید ترقی یافتہ صورت انتہا پسندی ہوتی ہے۔ انتہا پسندی کی کچھ علامات یوں بیان کی گئی ہیں:

(۱) انتہا پسند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اصل حقیقت کا مالک وہی ہے اپنی فکر اور تصورات کے درست ہونے پر اس کے پاس قطعی دلائل موجود ہیں وہ اپنے موقف کے حق کے دلائل دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی سوچ سے مختلف کوئی بھی تصور اس کے وجود کے لئے خطرہ ہے جو اس کے ساتھ متفق ہو وہی اس کے نزدیک درست ہوتا ہے اور جو اس سے اختلاف کرے وہ غلطی پر ہوتا ہے اور اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ اس تصور سے وہ اپنے

* سیکرٹری، اِسلامی نظریاتی کونسل، اِسلام آباد، پاکستان۔

تئیں ایک بدامنی اور خطرے کی سی کیفیت محسوس کرتا ہے۔

(۲) انتہاپسند شخص اپنی فکر سے اختلاف کرنے والوں کو شیطان سمجھتا ہے اور ان کے لیے سخت الفاظ استعمال کرتا ہے۔ وہ بات چیت کے ذریعے معاملے کو سلجھانے کے بجائے لعن طعن کرنے کا سہارا لیتا ہے، بعض اوقات یہ لعن طعن مخالف کی ذات سے بڑھ کر اس کے خاندان والوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات مانیں اور اس کا ساتھ دینے کے لئے اس کے گرد جمع رہیں۔

(۳) انتہاپسند سے جب کچھ نہیں بن پاتا تو وہ آخری معرکے کا انتظار کرتا ہوا نظر آتا ہے جس کے بارے میں اس کا خیال ہوتا ہے کہ آخرکار اس معرکے میں اس کا تصور اور فلسفہ کامیاب قرار پائے گا۔ یہ تصور محض دینی انتہاپسندوں کا نہیں ہوتا بلکہ اشتراکیت پسندوں، بے دینوں اور لادینوں سے بھی یہی باتیں سنی جاتی ہیں۔

(۴) انتہاپسند اختلاف برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا، امریکی صدر جون کینڈی نے ایک دفعہ کہا تھا ہمیں اعتراض اس خطرے کی وجہ سے ہے جس کا سبب انتہاپسند بن سکتا ہے یہ اس لئے نہیں کہ وہ انتہاپسند ہے اس لیے کہ وہ اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے۔ بُرائی ان باتوں میں نہیں جو وہ اپنے موقف کے بارے میں کہتے ہیں بلکہ خطرہ تو ان باتوں سے ہے جو وہ اپنے مخالفین کے بارے میں کہتا ہے۔

(۵) انتہاپسند آدمی موضوعاتی مکالمے کی بجائے گالیوں، طرح طرح کے الزامات اور دوسروں کو بدنام کرنے کا سہارا لیتا ہے۔

(٦) انتہاپسند شخص ذرا سی مماثلت، شبہ یا شک کی بناپر عمومی حکم (جزنلائز) صادر کر دیتا ہے۔ اسے اگر اپنے خیال میں کم از کم کسی شخص میں کسی ناپسندیدہ گروہ، فرقے یا طبقے کے ساتھ مماثلت یا مشابہت کا ذرا شبہ ہو تو وہ اسے انہی کے حکم میں فوراً شامل کر دیتا ہے۔

(۸) انتہاپسند شخص دوہرا معیار اپناتا ہے اس کی اپنی فکر کے حق میں کوئی بھی بات ہو تو اسے بلادلیل مان لیتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں سے ان کے افکار کے بارے میں دلائل مانگتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے اور اپنے موقف کے دفاع کے لئے معروضی حالات کا حوالہ دیتا ہے جب کہ وہ دوسروں سے معروضی حالات کا لفظ سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر یہ کہ انہیں گزشتہ ادوار میں ظلم کا نشانہ بنایا جاتا رہا یا یہ کہ وہ ایک مقدس مشن کا علمبردار ہے یا یہ کہ انہیں کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ وہ صرف اپنی بات سنانا پسند کرتا ہے کسی کی سننا پسند نہیں کرتا۔

(۹) انتہاپسند اپنے موقف پر فخر کرتا ہے اور اپنے بڑے پن کا دعویدار ہوتا ہے اور اپنے موقف کے لئے جان دینے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۱۰) بعض اوقات انتہاپسند شخص اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے کہ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے دینی اور اخلاقی اقدار کو پامال کرنے کو بھی جائز سمجھتا ہے۔ اس کے لئے وہ جھوٹ بولتا ہے، قسمیں کھاتا ہے، وعدے توڑ دیتا ہے اور معاشرتی عدل کی خلاف ورزی کر جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو سزا بھی دیتا ہے، ان کی صورت مسخ کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے، شہادتیں بدل دیتا ہے اور الزام لگانے سے بھی باز نہیں آتا۔

انتہاپسند ہر فکر میں پائے جاتے ہیں دینی فکر میں بھی، کفر و الحاد میں بھی، اشتراکیت میں بھی اور سیکولر سوچ میں بھی۔ ایک عقل مند آدمی اندھیروں پر لعنت کرنے کی بجائے روشنی کی شمع جلاتا ہے اور دوسروں پر الزام لگانے کی بجائے مذمت کرتا ہے۔ پاکستان کے تناظر میں فکری انتہاپسندی کو دیکھا جائے تو یہاں بھی اس کی کئی صورتیں نمایاں نظر آتی ہیں جس کی ابتداء تنگ نظری سے ہوتی ہے اور پھر وہ تعصب اور انتہاپسندی سے ہوتی ہوئی دہشت گردی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں انتہاء پسندی کی نمایاں صورتوں میں سے بین المذاہب انتہا پسندی، فقہی مذاہب میں انتہاء پسندی، فرقہ وارانہ انتہاء پسندی اور مذہبیت ولامذہبیت کے درمیان انتہاء پسندی۔ ان سب کی حسبِ ضرورت وضاحت درج ذیل ہے:

جہاں تک پاکستان میں مذہبی انتہاء پسندی کا تعلق ہے تو یہاں مختلف مذاہب کے درمیان انتہاء پسندی نہ ہونے کے برابر ہے، صحافتی سطح پر اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے بحث زوروں پر رہتی ہے مگر علمی لحاظ سے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ چرچ ورلڈ مشن کے ایک سروے کے مطابق پاکستان میں اقلیتوں کی تعداد درج ذیل ہے:

ملتان۔ ۲۳ ستمبر (اے پی پی) پاکستان کی ۱۷ کروڑ ۹۳ لاکھ آبادی میں سے ۹۶ فیصد مسلمان اکثریت اور تقریباً ۷۰ لاکھ غیر مسلم اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ غیر مسلموں میں اکثریت مسیحیوں اور ہندوؤں کی ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیم چرچ ورلڈ مشن کی جانب سے ۲۰۱۲ء کے جو اعداد و شمار جاری کیے گئے ہیں ان کے مطابق پاکستان میں بسنے والی اقلیتی آبادی میں سب سے بڑی تعداد ہندوؤں کی ہے۔ ہر ایک ہزار غیر مسلموں میں سے ۴۲۹ ہندو، ۴۲۵ مسیحی ہیں۔ ۶۸ کا تعلق شیڈولڈ کاسٹس سے ہے ۵۸ قادیانی اور ۲۰ کا تعلق دیگر مذاہب سے ہے۔ پاکستان میں مسیحیوں کی آبادی ۲۸ لاکھ ۳۶ ہزار ہے جو ملک کی مجموعی آبادی کا ۱۸ء۵ فیصد بنتی ہے۔ مسیحیوں کی اکثریت یعنی ۲۳ لاکھ ۳ ہزار ۵۰۰ پنجاب میں بستی ہے یعنی ہر ایک ہزار پاکستانی مسیحیوں میں سے ۸۱۲ کا تعلق پنجاب سے ہے۔ پاکستان میں مسیحیوں کی سب سے بڑی تعداد ۴ لاکھ ۹۹ ہزار لاہور میں آباد ہے۔ دوسرے نمبر پر کراچی ہے جہاں ۳ لاکھ ۲۳ ہزار ۵۰۰ مسیحی آباد ہیں۔ کراچی کے علاوہ سندھ کے دیگر علاقوں میں ۷۶ ہزار، خیبر پختونخواہ میں ۵۳ ہزار،

بلوچستان میں ۶ ۳۳ہزار اور اسلام آباد میں ۴ ۴ہزار ۵۰۰ مسیحی آباد ہیں۔ پنجاب کے دیگر اضلاع میں مسیحی آبادی کی تفصیل کچھ اس طرح ہے : فیصل آباد ۳لاکھ ، شیخوپورہ ۲لاکھ ۳ہزار ۵۰۰، گوجرانوالہ ۲لاکھ ، سیالکوٹ ایک لاکھ ۷ ۴ہزار ، قصور ایک لاکھ ۱۴ہزار ، راولپنڈی ۹۶ہزار ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ۸۲ہزار ۵۰۰، سرگودھا ۷۹ہزار ۵۰۰، ساہیوال ۷۸ہزار ۵۰۰، خانیوال ۶۶ہزار ۵۰۰،اوکاڑہ ۵۸ہزار ، نارووال ۵۷ہزار ، وہاڑی ۲۹ہزار ۵۰۰، گجرات ۲۹ہزار ، ملتان ۲۶ہزار ، جھنگ ۲۰ہزار ، بہاولپور ۱۹ہزار ۵۰۰، رحیم یار خان ۱۹ہزار جہلم ۱۷ہزار ۵۰۰، بہاولنگر ۱۶ہزار ۵۰۰، خوشاب ۱۵ہزار، حافظ آباد ۱۳ہزار ۵۰۰، لیہ ۱۳ہزار، پاکپتن ۱۳ہزار ، اٹک ۱۱ہزار ۵۰۰، میانوالی ۱۱ہزار ، مظفرگڑھ ۱۰ہزار ، منڈی بہاؤالدین ۹ہزار ۵۰۰اور چکوال میں ۸ہزار مسیحی آباد ہیں(۱)۔ پاکستانی آبادی کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم فی صدی کے حساب سے یوں بنتی ہے :

اسلام 97.0%، ہندومت 1.5%، عیسائیت 1.5%، دیگر مذاہب 0.01%۔(۲۔)

ان غیر مسلم شہریوں کے ساتھ پاکستان کے مسلمان شہریوں کی کبھی فکری محاذ آرائی نہیں ہوئی۔ یہ لوگ نہ ایک دوسرے کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں نہ مناظرے کرتے ہیں نہ کبھی مذہبی بنیادوں پر ان میں مسلح تصادم ہوا۔ بعض مذہبی طبقات کے ساتھ کبھی کبھی جو تنازعات کی صورت سامنے آتی ہے اس کی وجوہات فکری نہیں بلکہ سیاسی یا معاشرتی ہیں ورنہ یورپ امریکا کے ساتھ پاکستان کے بحیثیت قوم کس قدر قریبی تعلقات ہیں، نہ وہاں کبھی مذہب کی بات درمیان میں آئی ہے نہ ملک کے اندر۔ پاکستانی قوم بحیثیت مسلمان باہمی افہام تفہیم کے اصول کی پابند ہے کیوں کہ اس تصور کو پروان چڑھانے کے لیے خود قرآنِ مجید نے فکری طبقات کے درمیان انتہاپسندی کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس کی عمدہ مثال قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کا یہ امتیاز ہے کہ یہاں تمام انبیاء اور رُسل کا عزت و احترام کے ساتھ تذکرہ فرمایا گیا اور تمام امتوں کو ملنے والے آسمانی دین کو ایک ہی دین قرار دیا گیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا شَرَعَ لَكُمْ مِنْ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ [الشوریٰ ۴۲: ۱۳] (اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا، اور جسے اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ)۔ ان تمام امتوں کے شرائع میں جو اختلاف تھے انہیں محض فرعی اور منہجی اختلاف قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

عَمَّا جَاءَكَ مِنْ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ [المائدہ۵:۴۸] (پھر اے محمد ! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس سے مُنہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم لوگوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک امّت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو)۔ اس کی تیسری بڑی مثال یہ ہے کہ شرائع سابقہ کی متبعین کے دینی رویوں کے بارے میں بڑے تحفظات ہونے کے باوجود جب قرآن مجید نے خود انہیں خطاب کیا تو يَاأَهْلَ الْكِتَابِ کے معزز و محترم لقب سے پکارا جس کا معنیٰ اہلِ علم و فضل بنتا ہے حتیٰ کہ قرآن مجید نے جب سابقہ امتوں کی انتہا پسندی پر انہیں نصیحت کرنا چاہی تو بھی انہیں اسی لقب سے پکارتے ہوئے فرمایا: يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ [النساء، ۴:۱۷۱] اور [المائدہ ۵:۷۷] (اے اہل کتاب ! اپنے دین میں غلو نہ کرو)۔ یہ مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کا ایسا عمدہ نظام ہے جسے شرائع سابقہ کے متبعین قائم نہیں رکھ سکے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جب ان کی فکری انتہا پسندی کا تذکرہ کیا گیا تو اس وقت ان کے وہ فرقہ وارانہ القاب استعمال کیے جو انہوں نے اپنے لیے خود اختیار کیے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہوا: وَقَالَتْ الْيَهُودُ لَيْسَتْ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتْ النَّصَارَى لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ [البقرۃ۲: ۱۱۳] (یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے پاس کچھ نہیں حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں۔۔۔)۔ چناں چہ یہاں يَاأَهْلَ الْكِتَابِ کی بجائے وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ فرمایا۔

فکری انتہا پسندی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ہم جب کسی کی حمایت کرتے ہیں تو اس کی تمام خامیوں اور عیوب کو نہ صرف نظر انداز کر دیتے ہیں بلکہ انھیں صحیح ٹھہرانے کی کوشش بھی کرتے یں، اسی طرح جب کسی کی مخالفت پر اترتے ہیں تو اس کی خوبیوں کو پس پشت ڈال کر اس کی خامیوں کی اشاعت ہی اپنی زندگی کا ہدف بنا لیتے

ہیں۔ یہ انداز فکر و نظر سراسر غیر علمی بھی ہے اور غیر اسلامی بھی۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ علم و فن اور خدمات کا اعتراف اور عقیدہ و عمل کا احتساب دو الگ الگ چیزیں ہیں رسول اللہ ﷺ نے جاہلی شاعر امرء القیس کو اشعر شعراء العرب بھی فرمایا ہے اور حامل لوائہم الی النار بھی۔ پہلا جملہ امرء القیس کی فنی عظمت کا تعارف ہے اور دوسرا جملہ اس کی گمراہی فکر و عمل پر مہر۔

ان اِسلامی اصولوں کے ساتھ جب ہم بالخصوص پاکستان کے حوالے سے بین المذاہب فکری اعتدال کی راہ تلاش کرتے ہیں تو پاکستان جیسے ایک ایسے ملک میں جو خالصتاً اِسلام کی بنیاد پر اٹھنے والی تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا، اس کے وجود میں آنے کے فوراً بعد قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں جو تقریر کی تھی اس تقریر میں انہوں نے فرمایا تھا کہ پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مسلم اکثریت جیسے ہی شہری حقوق حاصل ہوں گے اور مذہب اور عقائد کی بنا پر شہریوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا (۳)۔ ۱۹۴۸ء میں قائدِ اعظم کا تو انتقال ہو گیا مگر ان کی اس فکر کو ان کے پس ماندگان نے بھی یاد رکھا اور پاکستان کے ہر دستور میں غیر مسلم پاکستانی شہریوں کو تحفظ فراہم کیا گیا۔ آئینِ پاکستان ۱۹۵۶ء میں اسے یوں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:۔

آرٹیکل ۱۹۸ (۱): ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے منافی ہو۔۔۔اور موجودہ قوانین کو ان احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔

آرٹیکل ۱۹۸ (۴): اس آرٹیکل میں شامل کوئی چیز غیر مسلم شہریوں کے شخصی قانون یا شہریوں کے طور پر ان کی حیثیت یا آئین کی کسی دفعہ پر اثر انداز نہیں ہو گی (۴)۔

آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء کا جزء نہم اِسلامی احکام کے بارے میں ہے اس میں جہاں تمام قوانین کو اِسلامی احکام کے مطابق ڈھالنے کی بات کی ہے گئی ہے وہاں بھی نہایت خوبصورت انداز میں غیر مسلم شہریوں کے فکری حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے متعلقہ دفعات درج ذیل ہیں:

آئینِ پاکستان ۱۹۶۲ء کے حصہ دہم۔ اِسلامی ادارے، آرٹیکل ۱۹۹ میں قوانین کو اسلامیانے کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شہریوں کو اسی طرح تحفظ دیا گیا ہے (۵)۔ اسی طرح موجودہ دستورِ پاکستان یعنی آئین ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲ میں اسلام کو ریاست پاکستان کا دین قرار دیا گیا ہے، جب کہ حصہ نہم۔ اِسلامی احکام کے آرٹیکل ۲۲۷ اِسلامی احکام میں کہا گیا ہے کہ:

۱. تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں منضبط احکام کے مطابق بنایا جائے گا اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔

۲. ذیلی شق (۱) کے احکام کو عملی شکل دینے کے لئے وہ طریق اختیار کیا جائے گا جو دستور کے اس حصے [یعنی جزء ۹ بعنوان اسلامی احکام] میں بیان کیا گیا ہے۔

۳. اِس حصے میں کسی امر کا غیر مسلم شہریوں کے قوانین یا بطورِ شہری ان کی حیثیت پر اثر نہیں پڑے گا(۶)۔

پاکستانی معاشرے میں ان اسلامی اور آئینی ہدایات کے مطابق بین المذاہب اعتدال کی عمدہ مثال موجود ہے، بے چینی اور بد امنی کی جو مثالیں گاہے گاہے میڈیا میں رپورٹ ہوتی ہیں ان کا تعلق مذاہب کے فکری پہلو سے نہیں بلکہ معاشرتی پہلوؤں سے ہے جیسے عیسائی شہریوں کا پیشۂ صفائی وغیرہ یا پھر عالمی طور پر مسلط بد امنی میں سے انہیں بھی اسی طرح حصہ ملتا ہے جیسے معاشرے کی مسلم آبادی کو۔ اس کی تائید روزنامہ خبریں کے ایک اداریے سے بھی ہوتی ہے جس میں اداریہ نگار لکھتے ہیں:

"پاکستان میں مسیحی برادری کو جو سہولتیں، آئینی اور قانونی تحفظ حاصل ہے، اس کی مثال کسی غیر مسلم معاشرہ میں نہیں ملتی"(۷)۔ اسی طرح پاکستان کے کثیر الاشاعت رزنامہ جنگ میں بھی اسی پہلو کی نشاندہی کی گئی ہے ، چناں چہ اداریہ نگار لکھتے ہیں:

"امر واقعہ یہی ہے کہ عیسائیوں اور عیسائیت کے بارے میں پاکستان بھر میں سرے سے منافرت کی فضا موجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ ارباب حکومت سے لیکر عام آدمی تک اپنے عیسائی بھائیوں کی تالیف قلب کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھتے ہیں"(۸)۔

البتہ این جی اوز اور بین الاقوامی اداروں کا اپنا معیار اور اپنا نقطۂ نظر ہوتا ہے، چناں چہ لاہور میں قومی کمیشن برائے امن و انصاف نامی ایک غیر سرکاری ادارے نے اقوام متحدہ کے خواتین کی بہبود کے لیے کام کرنے والے ادارے کی معاونت سے حال ہی میں پاکستان میں اقلیتی خواتین کی صورتحال کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی۔ ملک کے چھبیس اضلاع میں کی گئی اس تحقیق کے لیے پاکستان کے صوبہ سندھ اور پنجاب سے ڈیٹا لیا گیا ہے۔ ان دو صوبوں میں پاکستان کی نوے فیصد سے زائد اقلیتی آبادی رہائش پذیر ہے۔اس رپورٹ کے تیار کنندگان جینیفر جگ جیون اور پیٹر جیکب نے اس رپورٹ کی تیاری کے لیے ایک ہزار ہندو اور مسیحی خواتین کے انٹرویوز کیے۔ اس رپورٹ میں اقلیتی خواتین کی بہت سی حق تلفیوں کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کا محرک مذہب کو قرار دیا گیا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں یہ مسائل مذہبی نہیں معاشرتی یا دیگر نوعیت کے ہیں، ملک کے بہت سے دیہاتی علاقوں کا سروے کیا جائے تو وہاں خواتین تو کیا مردوں کے حالات اس سے بھی کمزور نظر آئیں گے۔ اسی رپورٹ

میں مذہبی حوالے سے ایک مثبت پہلو بھی نقل کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

''اس تحقیق کے نتیجے میں سامنے آنے والی ایک اچھی بات یہ ہے کہ بین المذاہبی تعلقات کے ضمن میں پاکستان کی زیادہ تر اقلیتی خواتین یعنی ۵۵ فیصد عورتوں کا خیال ہے کہ پاکستان کا عمومی ماحول ان کے لیے سازگار ہے لیکن خواتین کی بڑی تعداد کا یہ بھی خیال تھا کہ شانتی نگر اور گوجرہ جیسے واقعات کی صورت میں مقامی آبادی ان کا ساتھ نہیں دے گی'' (۹)۔

بحث کے اس حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کہیں بین المذاہب فکری مسائل پیدا ہو جائیں تو اس کے لیے اعتدال کی راہ انہیں راہ نما اصولوں سے معلوم کی جا سکتی ہے جو شریعت اسلامیہ نے اور دستورِ پاکستان نے مہیا کیے ہیں۔

جہاں تک پاکستان میں فقہی مذاہب کے درمیان انتہاء پسندی کا تعلق ہے تو یہاں فقہی مذاہب کا وہ رواج نہیں جو بہت سے عرب ممالک میں ہے، یہاں اکثریت فقہِ حنفی کی پیروکار ہے، فقہِ شافعی کا کہیں ذرہ بھر وجود ہے مگر وہ اس قدر کم ہے کہ دورانِ تحقیق اس کا کوئی حوالہ بھی نہیں مل سکا، اس لیے فقہی مذاہب میں انتہاء پسندی تو کیا عملی طور پر یہاں فقہی شدت پسندی کا بھی کوئی وجود نہیں، البتہ پاکستان میں ایک فکری طبقہ اہلِ حدیث کا فقہی پہلو ایک حد تک اس زمرے میں آجاتا ہے۔، حنفیہؒ اور غیر مقلدین یا اہلِ حدیث میں اگر چہ عبادات کے مخصوص مسائل میں ہی تنازعات زیادہ ہیں مگر یہ تنازعات شدت پسندی کی حد تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایسے اختلافات اس انتہاء کو نہیں پہنچے کہ انہیں انتہاء پسندی کے زمرے میں داخل کر لیا جائے۔

مولانا مودودیؒ نے شیعہ کو بھی ایک فقہی طبقہ شمار کیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

'' پاکستان میں اس وقت تین ہی فقہی مذاہب ہیں۔ایک حنفی، دوسرے اہل الحدیث، تیسرے شیعہ امامیہ ---
ان تینوں مذاہب کے علماء نے ۱۹۵۱ میں باہم اتفاق سے یہ بات طے کر لی تھی کہ ملکی قانون (Law of Land) اکثریت کے مسلک پر مبنی ہو گا اور ہر فقہی مذہب کے پیروؤں کو یہ حق دیا جائے گا کہ اُن کے شخصی معاملات اُن کے اپنے پرسنل لاء کے مطابق طے کئے جائیں۔ رہے مختلف مذاہب کے اعتقادی اختلافات، تو نہ وہ دور کئے جا سکتے ہیں، نہ اُن کو دور کرنا ضروری ہے-- صرف اتنی بات کافی ہے کہ ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم رہے اور سب ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتیں-- اس کے لئے ہم ملک میں مسلسل کوشش کر رہے ہیں''۔(۱۰)

مگر بندہ کی ناقص رائے میں اہلِ تشیع کے ساتھ فکری اختلاف فقہی بنیاد پر معروف نہیں، نہ ان کے ساتھ حنفیہؒ یا اہل حدیث کے فقہی مباحث چلتے ہیں، ہر کوئی اپنی فقہی تحقیقات پر عمل پرا ہے، البتہ ان کے درمیان کچھ تاریخی غلط فہمیوں نے فکر کی صورت اختیار کر لی ہے اور کچھ عقائد کے اختلافات ہیں جو سخت شدت اختیار کر چکے ہیں۔ بہر حال پاکستان کے ماحول میں حنفیہؒ اور اہلِ حدیث کو فقہی مذاہب مانا جائے یا شیعہ اثنا عشری کو بھی اس میں

تیسرا فقہی طبقہ مان لیا جائے، ان میں فقہی طور پر اعتدال کی راہ وہی ہے جو سلف امت کے فقہاء نے اختیار کی۔ ان کی وسعت ظرفی کا یہ عالم تھا کہ ان کے درمیان حلال و حرام تک کا اصولی اور علمی اختلاف موجود تھا۔ ایک فقیہ ایک چیز کو دلیل کی بنا پر حلال کہتا ہے، دوسرا اسی چیز کو دلیل کی بناء پر حرام قرار دیتا، کتب فقہ میں اس اختلاف کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اسی اختلاف کی بناء پر فقہ مالکی، فقہ حنفی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی وجود میں آئیں، مگر قابل غور اور لائق توجہ امر یہ ہے کہ اس علمی و فقہی اختلاف کے باوجود ان کے مابین کوئی تنازع اور تصادم نہیں ہوا، وہ ایک دوسرے کے جملہ علمی آداب کا پاس کرتے اور احترام آدمیت کا خیال رکھتے تھے، وہ ایک دوسرے کو دلیل شرعی کی بنا پر رائے کے اختلاف کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے تھے بلکہ وہ اپنی دلیل اور نکتہ نظر کو از حد درست اور صحیح خیال کرنے کے باوجود اس میں غلطی ہونے کا امکان موجود سمجھتے ہیں، صحیح دلیل شرعی معلوم ہو جانے کے بعد ضد نہیں کرتے تھے بلکہ شرح صدر کے ساتھ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے تھے۔ یہ ان فقہائے کرام کے معتدل مزاج، وسیع النظر اور صاحب بصیرت ہونے کی دلیل ہے۔ فقہ شافعی کے بانی امام محمد بن ادریس الشافعی (م۲۰۴ھ) اکثر و بیشتر کہا کرتے تھے کہ : رَأْيِي صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَاءُ، وَرَاىءُ غَيْرِيْ خَطَاءٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابُ. (۱۱) (میری رائے درست ہے مگر غلطی کا احتمال رکھتی ہے جب کہ دوسروں کی رائے غلط ہے مگر درستگی کا احتمال رکھتی ہے)۔ یہی امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) جب اپنے دادا استاد امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (م۱۵۰) کے مزار پر شہر بغداد کے محلّہ اعظمیہ میں حاضری اور دعا کے لئے گئے تو آپ نے وہاں اپنی فقہ کے مطابق نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔ جب ان کے تلامذہ نے بعد میں ان سے نماز میں رفع یدین نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اپنے دادا استاد کے پاس اپنی فقہ کے مطابق رفع یدین کرتے ہوئے شرم آتی ہے'' (۱۲)۔ یہ امام شافعی کی اعتدال پسندی اور وسعت ظرفی کی اعلیٰ مثال ہے۔ وہ عملی طور یہ سمجھنے کے باوجود کہ میں رفع یدین کرنے کے نکتہ نظر میں حق بجانب ہوں لیکن میرے اس اصولی اجتہاد میں معمولی سی خطا کا امکان موجود ہے۔ وہ امام اعظم سے دلیل کی بنیاد پر اختلاف رائے کو انا کا مسئلہ نہیں بناتے بلکہ عملی طور پر اگر اپنی رائے کے خلاف بھی دوسرے کو کبھی ترجیح دے دیتے ہیں، اس سے ان کے ایک فقہی مذہب کے بانی ہونے اور ان کے فقہی مقام و مرتبے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس اعتدال پسندی کی حقیقی بنیاد نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: اِذَا اجْتَهَدَ الحَاكِمُ فَاَصابَ فَلَه اَجْرَانِ وَاِنْ اَخْطَاءَ فَلَه اَجْرٌ وَّاحِدٌ(۱۳). (جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد درست نتیجہ لائے تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا اجتہاد غلط ثابت ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے)۔ یہ تو علمی اختلافات میں اعتدال کی راہ ہے اور اگر ان فقہی اختلافات کے

بارے میں مزاج پر زیادہ گرانی ہو یا دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق قانونی دفعات یا عدالتی فیصلوں کا مسئلہ در پیش ہو تو مولانا مودودیؒ کی تجویز اس سلسلے میں ایک عملی کردار ادا کر سکتی ہے جیسے کہ انہوں نے فرمایا:

"ان تینوں مذاہب کے علماء نے ۱۹۵۱ میں باہم اتفاق سے یہ بات طے کر لی تھی کہ ملکی قانون (Law of Land) اکثریت کے مسلک پر مبنی ہو گا اور ہر فقہی مذہب کے پیروؤں کو یہ حق دیا جائے گا کہ اُن کے شخصی معاملات اُن کے اپنے پرسنل لاء کے مطابق طے کیے جائیں" (۱۴)۔

پاکستان میں فکری انتہاء پسندی کا تیسرا میدان مختلف اسلامی فرقے ہیں دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور اہل حدیث یعنی غیر مقلد علماء ان میں نمایاں ہیں۔ ان کے درمیان کلامی اور فکری اختلافات بہت واضح ہیں جو شدت اختیار کرتے کرتے انتہاء پسندی اور تشدد تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے واعظین اور مفتی صاحبان ایک دوسرے کو کافر، مشرک اور منافق کہنے سے بھی باز نہیں آتے، شیعہ سنی کے بعض طبقات کے عسکری ونگ بھی فعال ہیں جو قتل وغارت بھی کرتے ہیں، کبھی ان کے درمیان مناظرانہ چیلنجز دینے اور کتابیں اٹھا کر مناظرانہ محافل سجانے پر گزارہ ہو جایا کرتا تھا مگر وہ دن بیت گئے اور اب فیصلہ قوتِ بازو سے ہوتا ہے۔ بریلوی دیوبندی کا معاملہ بھی اسی کے قریب قریب پہنچ چکا ہے۔ اس فکری انتہاء پسندی کا تدارک مذکورہ بالا تمام انواع سے نسبتاً زیادہ ضروری ہے۔ اس میں راہِ اعتدال تلاش کرنے کے لیے تاریخ اسلامی میں فکری اختلافات کے کچھ نمونے تلاش کرنا ہوں گے۔ چناں چہ اگر فکری انتہاء پسندی کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو اس کی تاریخ بہت لمبی ہے، عیسائیوں کے باہمی فرقے اور صدیوں تک کلیسا اور تختِ سلطنت کے درمیان چشمک اس کا ایک مرحلہ ہے۔ تاریخِ اِسلام کو دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ منورہ کا مسلم معاشرہ قائم ہوتے ہی ایک فکری گروہ ایسا پیدا ہو گیا جو بظاہر مسلمان تھا مگر اپنے فاسد افکار کی بناپر مسلم معاشرے کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا اس گروہ کو قرآن مجید نے منافقین کا نام دیا ہے۔ چوں کہ دورِ جدید کے فرقوں میں دوریاں کافی زیادہ ہو گئی ہیں اس لیے باہمی رقابتوں کی سختی کچھ کم کرنے کے لیے حدیث شریف اور سیرتِ طیبہ کی چند مثالوں سے اس مسئلے کی ابتدا کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو منافقین کی حرکات اور ریشہ دوانیوں کا حال تفصیل سے بتایا گیا اور ان کے نام بھی بتا دیے گئے مگر آپ ﷺ نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی صرف اس لئے نہیں فرمائی کہ اسے مسلمانوں کی آپس میں جنگ سے تعبیر نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

ثنا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، قَالَ: فَسَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «مَا هَذَا؟» ، فَقَالُوا: رَجُلٌ مِنَ

الْمُهَاجِرِينَ كَسَعَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:''مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ دَعُوهَا، فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ'' ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنِ سَلُولَ: أَوَقَدْ فَعَلُوهَا؟، وَاللَّهِ لَإِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، قَالَ جَابِرٌ: وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ بِالْمَدِينَةِ أَكْثَرَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُونَ بَعْدُ، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ''(۱۵)-

عمرو بن دینارؒ نے ہم سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو یہ فرماتے سنا: ہم ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، ایک مہاجری صحابیؓ نے ایک انصاری صحابیؓ کو کچوکہ مارا تو انصاری صحابیؓ نے انصار کو پکارا اور مہاجری نے مہاجرین کو آواز دی۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟، لوگوں نے بتایا: مہاجرین میں سے ایک صاحب نے انصار میں سے ایک صاحبؓ کو کچوکہ مارا ہے، جس پر انصاری صاحبؓ نے انصار کو پکارا اور مہاجری صاحب نے مہاجرین کو پکارا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا ہو گیا کہ زمانۂ جاہلیت والی باتیں ہونے لگیں، ایسی باتیں چھوڑو، یہ بدبودار ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ ابن اُبی بولا: ان لوگوں نے ایسا کر ڈالا ہے؟ اللہ کی قسم: ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے جو غالب ہوگا وہ کم تر کو نکال دے گا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں انصار کی تعداد زیادہ تھی، پھر بعد میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ ابن ابی کی اس بات پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ (مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں)۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ (چھوڑو! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں)۔

ایک اور واقعہ اسی سے ملتا جلتا ہے جو غزوہ ہوازن کے موقع پر پیش آیا۔ حضرت جابرؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں:

لَمَّا قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَ هَوَازِنَ بَيْنَ النَّاسِ بِالْجِعْرَانَةِ، قَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، فَقَالَ: اعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ: ''وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ، لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَمْ أَعْدِلْ'' قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَا أَقُومُ فَأَقْتُلَ هَذَا الْمُنَافِقَ، قَالَ: ''مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَتَسَامَعَ الْأُمَمُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ''، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:''إِنَّ هَذَا وَأَصْحَابًا لَهُ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا

يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ، كَمَا يَمْرُقُ الْمِرْمَاةُ مِنَ الرَّمِيَّةِ''۔(۱۶)

نبی کریم ﷺ مقام جعرانہ پر غزوۂ ہوازن کا مالِ غنیمت لوگوں میں تقسیم فرمارہے تھے کہ بنو تمیم کا ایک شخص کھڑا ہوگیااور کہنے لگا: اے محمد! عدل کیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا ناس ہو، اگر میں عدل نہیں کر رہا تو پھر کون عدل کرے گا؟، اگر میں عدل نہیں کر رہا تو میں ناکام ہوگیا اور میں نے نقصان اٹھایا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اٹھ کر اس منافق کو قتل نہ کردوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ تَتَسَامَعَ الْاُمَمُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهُ (اللہ کی پناہ! کہ اقوام کو یہ بات سننے کو ملے کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں)۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ اور اس کے کچھ ساتھی قرآن ایسے پڑھیں گے کہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے کھسک جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں:

إني لآخذ بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه و سلم أقوده وعمار يسوق به أو عمار يقوده وأنا أسوق به إذ استقبلنا اثنا عشر رجلا متلثمين قال هؤلاء المنافقون إلى يوم القيامة قلنا يا رسول الله الا تبعث إلى كل رجل منهم فنقتله فقال أكره أن يتحدث الناس أن محمدا يقتل أصحابه وعسى الله أن يكفيهم بالدبيلة قلنا وما الدبيلة قال شهاب من نار يوضع على نياط قلب أحدهم فتقتله لم يرو هذا الحديث عن الأعمش إلا أبو بكر بن عياش تفرد به يحيى بن آدم(۱۷)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی سواری کی باگ پکڑ کر آگے آگے جارہا تھا اور حضرت عمارؓ اسے پیچھے سے ہانک رہے تھے، یا شاید حضرت عمارؓ اس کی باگ پکڑے چل رہے تھے اور میں اسے ہانک رہا تھا، اسی میں ہمارے سامنے بارہ آدمی آئے جنھوں نے اپنے چہروں پر نقاب چڑھائے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: یہ منافق لوگ ہیں، ان کے بارے میں قیامت تک یہی فیصلہ ہے۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمیں حکم فرمادیں کہ ان میں سے ہر شخص کے پاس جاکر اس کا کام تمام کردیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ لوگ باتیں بنائیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ دبیلہ ان کے لیے کافی کردے، ہم نے عرض کیا: دبیلہ کیا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آگ کا شعلہ جو ان کے دلوں کے اوپر رکھ دیے جائیں جس سے ان کی جان نکل جائے۔ یہ حدیث اعمش سے صرف ابو بکر بن عیاش نے نقل کی ہےاور اس کی روایت میں یحییٰ بن آدم اکیلے ہیں۔

فرقوں کے درمیان فکری انتہاء پسندی کم کرنے کے لیے یہ طریقہ ایک مثالی طریقہ ہے یعنی یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ کوئی فرقہ دوسرے فرقے پر تشدد کی پالیسی نہیں اپنائے گا، نہ ایک دوسرے پر بندوق تانے گا۔ دوسرا اہم اقدام

اس سلسلے میں یہ ہے کہ لیڈر ہمت کرکے اپنے پیروکاروں کو اپنے بارے میں غیر معمولی باتیں کرنے اور انہیں سب سے اعلیٰ قرار دینے سے روکیں، بلکہ اس کی بجائے انسانی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان سے محبت کریں اور دوسروں کے قائدین کے لیے بھی کچھ گنجائش رکھیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلے تو نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے، جسے حضرت عمرؓ نے نقل کیا، فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ''(۱۸)، (مجھے اس قدر مت بڑھاؤ جس قدر نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا)۔اسی طریقے سے حضرت علیؓ کے بارے میں ایک حدیث منقول ہے، علقمہ بن قیس کہتے ہیں: ''مثل عَليّ رضى الل فِي هَذِه الْأمة كَمثل عِيسَى بن مَرْيَم عَلَيْهِ السَّلَام يهْلك فِيهِ رجلَانِ محب مفرط ومبغض مفرط''(۱۹)۔(اس امت میں حضرت علیؓ کی مثال ہے ایسے ہے جیسے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی۔ان کے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے، ایک وہ جو ان سے حد سے زیادہ محبت کرتا ہے اور دوسرا وہ جو ان سے حد سے زیادہ بغض رکھتا ہے)۔اسی طرح حضرت علیؓ کا اپنا ارشاد بھی منقول ہے : ليحبنى أقوام حَتَّى يدخلهم حبى النَّار وليبغضنى أقوام حَتَّى يدخلهم بغضى النَّار(۲۰) (کچھ لوگ مجھ سے ایسی محبت کریں کہ میری محبت انہیں جہنم میں داخل کروادے گی، اور کچھ لوگ مجھ سے ایسے بغض رکھیں گے کہ میرا بغض ان کے جہنم میں داخلے کا ذریعہ بن جائے گا)۔

حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ان کے زمانے کی مشہور فکری طبقہ بندی کی طرف اشارہ ہے جس کی ابتدا مسلمانوں میں محض خلافت میں اولیت کی بنیاد پر ہوئی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سے دو فکری طبقات ظاہر ہو گئے۔

مسلمان فرقوں میں فکری اعتدال کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ان میں پر امن مکالمے کی فضا قائم کی جائے، تاریخِ اسلام میں خوارج ایک مشہور فکری فرقہ ہیں، واصل بن عطاء کا خوارج کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جارہے تھے کہ راستے میں خوارج کے ایک جتھے سے ملاقات ہوئی، خوارج نے پوچھا : تم کون لوگ ہو تو انہوں نے کہا: ہم تمہارے ہاں پناہ لیتے ہیں تاکہ تم سے کلام اللہ سنیں، انہوں نے ان لوگوں کو اپنے فہم کے مطابق قرآن کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم نے قرآن کی دعوت قبول کی، وہ کہنے لگے : پھر اس راہِ ہدایت پر قائم رہو، واصل نے کہا: ہم آپ لوگوں کی بات اس وقت تک نہیں مان سکتے جب تک تم لوگ ہمیں امن وامان سے ہمارے پر امن ٹھکانے تک نہ پہنچادو، کیوں کہ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے : وإن أحدٌ من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام اللّه ثم أبلغه مأمنه(۲۱)۔[التوبۃ۶:۹](اگر مشرکین

میں سے کوئی تم سے پناہ چاہتا ہے تو تم اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ کلام اللہ سنے اور پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو)۔ جماعتِ خوارج نے یہ سنا تو واصل اور ان کے ساتھیوں کو خود جائے امن تک پہنچا کر آئے۔ اس سے ملتے جلتے اور واقعات بھی تاریخِ اسلام میں ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فکری اختلافات کوئی نئی بات نہیں مگر تمام اقوام میں ایسا ہوتا رہا جس کی بڑی مثالیں عیسائیوں کے مختلف فرقوں، نیز دینی اور سائنسی طبقات کا ظہور بھی ہے۔ تاریخِ اسلام میں بھی فکری شدت پسندی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نظر آتی ہے۔ بعض اوقات فکری شدت پسندی کا شکار بعض ایسی ہستیاں بھی نظر آتی ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کی بہت خدمت کی۔ ان حضرات میں خوارزمی، فارابی، ابن سینا، ابن الہیثم، ابن حیان، نووی، ابن المقفع، طبری، متنبّی، عسقلانی، ابن رشد، ابن بطوطہ، ابن خلدون، الرازی، اصفہانی وغیرہ بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ذھبی نے سیر اعلاء النبلاء میں غزالی کی احیاء علوم الدین کے بارے میں لکھا ہے: ''اراد احیاء الدین فاماتہ'' (وہ چاہتے تو دین کو زندہ کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے اسے مار ڈالا)۔ اسی طرح ابن القیمؒ نے ابن سینا کو امام الملحدین والکافرین باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الآخر لکھا ہے (۲۲)۔ مگر اس سب کے باوجود ہمیں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن میں فکری فرقہ واریت کی حدت وشدت کو کم کرنے کے لیے مثالی اقدامات کیے گئے۔

چوتھی فکری طبقہ بندی وہ ہے جس کی طرف اصلاح احوال کے علم بردار حضرات کی توجہ کم ہی جاتی ہے مگر وہ طبقہ بندی خطرناک ہونے میں کسی اور طبقہ بندی سے کم نہیں۔ میری مراد یہاں دینی (Religious) اور لادینی (Secular) طبقہ بندی ہے، بعض اوقات لادینیت (سیکولرازم) کے لیے لبرل کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ لبرل کا معنی اگرچہ بے تعصب ہے اور معنی کے لحاظ سے لبرل ہونے کی سیکولر ہونے کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں مگر اس کا معنی بے تعصب ہونے کے باوجود اس کا استعمال لادینی تعصب کی طرف پہلے زینے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس فکر کی شدت پسندی پر غور کریں تو اس طبقے میں دینی جماعتوں، مدارس، علماء اور واعظین کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے۔ دینی شدت پسندی اور انتہاپسندی کے بارے میں تو ہمیشہ میڈیا پر بھی ہمیں بہت کچھ سننے کو ملتا ہے، اس کے بارے میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی گئیں اور کی جارہی ہیں، دنیا بھر میں بڑی بڑی کانفرنسیں اس موضوع پر ہوتی رہتی ہیں، رواداری کے جو قومی اور بین الاقوامی ادارے قائم کئے گئے ہیں وہ زیادہ تر مذہبی شدت پسندی کو پیشِ نظر رکھ کر مصروفِ عمل ہیں مگر لادینی فکر کی انتہاپسندی کو کم کرنے کے لیے کوئی آواز سننے کو نہیں ملتی۔

سیکولر انتہا پسندی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ دنیا بھر میں دینی سوچ کو بدلنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کی جا

رہی ہیں، علی العطبی الحسینی نے اپنے مضمون بعنوان "التطرف العلمانی والتطرف الدینی" میں سیکولر فکر کی انتہاپسندی کا حوالہ دیتے ہوئے مارچ ۲۰۰۷ء میں امریکہ میں ہونے والی ایک کانفرنس کا ذکر کیا جس کا عنوان اسلام، سیکولرازم اور قرآن مجید تھا۔ اس میں آزادی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن کی تفسیر پیش کرنے پر زور دیا گیا۔ اس کانفرنس کے شرکاء میں سابق مصری انٹیلی جنس آفیسر کی بیٹی ٹونی درویش بھی تھی جس نے مشرق وسطیٰ میں جنگ جدال کا سبب وہاں کی اسلامی تہذیب و ثقافت کو قرار دیا ہے جسے مزید واضح کرنے کے لئے اس نے کہا کہ یہ نفرت کی ایک دعوت ہے جسے اس علاقے کے بچوں کو بچپن ہی سے سکھایا جاتا ہے، اسی طرح اس کانفرنس میں شامی نژاد امریکی ڈاکٹر فضہ سلطان نے بھی مقالہ پیش کیا جو دین اسلام پر تنقید کے سلسلے میں بہت مشہور ہے۔ انہیں میں ہندی نژاد مولفہ ارشاد مانجی بھی تھیں جو اپنے مخصوص حالات اور نظریات میں مشہور ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کا ذاتی کردار بھی متنازع ہے۔ بہت اچھا ہوتا کہ اس موضوع پر معتدل اسلامی محققین گفتگو کرتے تو یقینا اس سے بہتر نتائج بھی نکل سکتے تھے مگر یہ سیکولر فکری انتہاپسندی ہی کا کمال ہے کہ اس کے لئے محض اپنے مطلب کے شرکاء تلاش کر کے مخصوص نظریات کو پروان چڑھانے کا پروگرام بنا لیا گیا (۲۳)۔

پاکستان میں سیکولر انتہا پسندی کی واضح صورت یہ ہے کہ ملکی میڈیا پر نظریۂ پاکستان کو متنازع بنانے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، آئے روز اس پر مذاکرے ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں قیام پاکستان کا فیصلہ ہو جانے کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں جو تقریر کی تھی اس کا حوالہ بکثرت دیا جاتا ہے جس میں انہوں نے تمام مذاہب کی آزادی کی بات کی مگر یہ تو ایک سادہ سی بات ہے کہ پوری تحریک پاکستان میں چوں کہ مسلمانوں کے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا جارہا تھا اور اس سے بھرپور تاثر ملتا تھا کہ یہ ملک مسلمانوں کا ہوگا تو قائدِ محترم نے غیر مسلموں کو بھی تسلی دی کہ جو غیر مسلم پاکستان کے شہری ہوں گے وہ اپنے مذہب پر چلنے میں آزاد ہوں گے جیسے کہ خود دینِ اسلام کی واضح تعلیمات ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد قائدِ اعظم نے معاذ اللہ یکدم یوٹرن لے لیا اور تحریک پاکستان کے دوران کیے گئے سارے وعدے یکسر بھلا دیے۔ مگر سیکولر انتہا پسندی کی بھی عجیب منطق ہے، وہ قائدِ اعظم کی شخصیت کو اسی رنگ میں پیش کرنے پر مصر ہے۔ یہ طبقہ بڑے منظّم انداز میں مہم چلا رہا ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قائم کردہ اس مملکت کو فکرِ جناح سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کا نظریاتی اور آئینی تعلق "اسلام" سے توڑ دیا جائے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قائدِ اعظم اسلام کو امورِ مملکت یا ریاستی معاملات سے دور رکھنا

چاہتے تھے اور ان کے تصور میں ایک سیکولر پاکستان کا نقشہ تھا۔اس انتہاکے بعض لوگوں نے نظریہٗ پاکستان اور تحریکِ پاکستان میں دینی جذبے کی کارفرمائی کی بحث کو یہ کہہ کر سمیٹ دیا کہ دنیامیں بہت سی تحریکیں ایسی تھیں جنہیں مؤثر بنانے اور چلانے کے لیے ان کے قائدین نے معاشرے کے کسی اہم ایشو کو تحریک کی بنیاد بنایا اور جب تحریک کامیاب ہو گئی تو اس ایشو کو ایک طرف رکھ دیا اور پوری توجہ اپنی قوم کی تعمیر وترقی پر صرف کردی۔ اس سلسلے میں جنوبی افریقہ کے آنجہانی رہنما نیلسن منڈیلا کی مثال پیش کی جاتی ہے جنھوں نے نسلی امتیازات کے خلاف تحریک چلائی اور ربع صدی کے قریب قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر جب تحریک کامیاب ہوئی توانہوں نے کالے گورے کی تمیز کے بغیر اپنی تمام توانائیاں اپنے ملک و قوم کی تعمیر وترقی پر صرف کردیں۔ پاکستان میں سیکولر فکر کی انتہا پسند منطق بھی یہی راگ الاپتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کو قائدِ اعظم نے تحریکِ پاکستان کو متحرک کرنے اور مؤثر بنانے کے لیے استعمال کیا اور جب پاکستان بننے کا فیصلہ ہوگیا توانہوں نے تحریکِ پاکستان کے نعرے کو ایک طرف رکھ دیا اور پہلی دستور ساز اسمبلی میں ہی اپنی تقریر میں اس نوزائیدہ مملکت کو ایک سیکولر سٹیٹ قرار دے دیا تاکہ مذہب کی تمیز کے بغیر یہ ایک جمہوری مملکت بن جائے۔ یہ فلسفہ دورِ جدید کے متعدد مصنفین اور کالم نگاروں نے پیش کیا ہے۔ عصرِ حاضر کے کالم نگار اور سیاست دان ایاز میر نے بھی نظریہٗ پاکستان کی یہی تعبیر دہرائی ہے،ذیل میں ان کے کالم کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

قیام پاکستان کے وقت دو مختلف نظریات میں مسابقت چل رہی تھی،ایک قائد اعظم کا سیکولرازم، دوسرے وہ اسلامی نعرے جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں تیزی پیدا کی، سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے قائد اعظم کے پاس ان نعروں پر انحصار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ آزاد ملک حاصل کرنے کے بعد ان اگرچہ ان نعروں کی ضرورت ختم ہو گئی، تب ضرورت اس امر کی تھی کہ جدید جمہوری ری پبلک کی تشکیل پر توجہ مرکوز کی جائے۔ مگر ہم نے اس کے برعکس کیا۔ ہر پالیسی کی ناکامی کے بعد مذہبی نعرہ بازی کو ہوا دی گئی۔ جب نئے آئین کی تشکیل پر تمام توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت تھی، ہم نے تمام تر توانائیاں قرار داد مقاصد نامی دستاویز پر صرف کردیں(۲۴)۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز نے مباحث ستمبر ۲۰۱۰میں" قائد اعظم، سیکولر یا دین پسند؟ ایاز امیر صاحب کے کالم پر تبصرہ" کے عنوان سے دینی جرائد ماہنامہ " حق چار یار " اور ہفت روزہ " ندائے خلافت " کا تنقیدی تبصرہ بھی شائع کیا ہے(۲۵)۔

حقیقت یہ ہے کہ جب قائد اعظم نے اپنے خطاب میں یہ فرمایا تھا کہ پاکستان میں مذہب اور عقائد کی بنیاد پر

شہری حقوق کا تعین نہیں کیا جائے گا اور تمام شہریوں کو بغیر مذہبی امتیاز کے یکساں حقوق حاصل ہوں گے تو وہ درحقیقت ایک اسلامی ریاست کا ہی نقشہ کھینچ رہے تھے۔ اگر قائدِاعظم کی اس تقریر کا تجزیہ کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ کا آخری خطبہ غور سے پڑھ لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ بابائے قوم کے اس خطاب کے لیے جذبہ آپ ﷺ کے آخری پیغام سے حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا تھا: أما بعد أيها الناس، ألا إن ربكم واحد، ألا وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأسود على أحمر، ولا لأحمر على أسود إلّا بالتقوى، إن أكرمكم عند الله أتقاكم(۲۶) (امابعد! اے لوگو سن لو: تم سب کا رب ایک ہے، یہ بھی سن لو کہ تم سب کا باپ ایک ہے، اور سنو کہ کسی عربی کو عجمی پر برتری نہیں، نہ کسی عجمی کو عربی پر برتری حاصل ہے، اسی طرح نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر، سوائے اس کے جس کے پاس تقوی ہو، خبر دار! تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں زیادہ تقوے والا ہے)۔ اور یہ حقیقت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ کثیر القومی بنیاد پر عالمی تاریخ کا پہلا عمرانی و آئینی معاہدہ "میثاقِ مدینہ" کے نام سے آنحضرت کی رہنمائی میں ہوا تھا اور اس معاہدے کی رُو سے یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مدینہ کی شہریت کے مساوی حقوق دیے گئے تھے۔ اگر ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء والی تقریر کرنے والے قائدِاعظم اسلام کو امورِ مملکت سے دور رکھنا چاہتے تھے تو پھر میثاقِ مدینہ کے خالق اور پیغمبرِ اسلام بھی خدانخواستہ نہیں چاہتے تھے کہ ریاستِ مدینہ کے امور میں اسلام کا کوئی عمل دخل ہو! (نعوذ باللہ) (۲۷)۔

کالم نگار غلام اکبر نے ایک سیکولر انتہا پسند کے مضمون کا حوالہ یوں دیا:

حال ہی میں میری نظروں سے ایک روشن خیال دانشور کا ایک مضمون گزرا ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر پاکستان کو "فتنہ و فساد" کی آماجگاہ بنائے رکھنا مقصود نہیں تو اسکے آئینی دیباچے سے قراردادِ مقاصد کا وہ حصہ خارج کر دیا جائے جس میں ملک کا رشتہ اسلام اور قرآن و سُنت سے جوڑا گیا ہے۔ موصوف کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ مذہب ہی ہر فتنے کی جڑ اور ہر فساد کا منبع ہے اسلئے آئین کو اس سے پاک کر دیا جائے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ قراردادِ مقاصد کو آئین کا حصہ بنائے رکھنے کا مطلب قومی پرچم میں موجود "سفید" رنگ کا منہ چڑاتے رہنا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے پرچم میں سفید رنگ اقلیتوں کے حقوق کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ ایک فرد کا ہی نہیں، ایک پورے طبقے کی سوچ کا مطالبہ ہے۔ اس سوچ کو صرف شر انگیز قرار دے ڈالنا کافی نہیں، ہمیں اس سوچ کی بیخ کنی کیلئے عملی اقدامات کرنے ہوں گے (۲۸)۔

اس سوچ کے حوالے سے اعتدال کی راہ تلاش کریں تو صرف دینِ اسلام کا مطالعہ اور صحیح نفاذ ہی اس کا حل پیش کر

سکتا ہے کیوں کہ وہی عدل اجتماعی کی ضمانت ہے اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ جیسے کہ مقالے کے شروع میں نقل کیا گیا کہ قرآنِ مجید اور اسلامی لٹریچر میں دیگر امتوں کے انبیاءِ کرام اور ان کی کتابوں کے محترم ومکرم تذکرے اور اس سے بڑھ کر یہود ونصاری کو اہلِ کتاب کہہ کر صاحبِ علم وفضل قرار دیا۔ جو دین اپنے اندر اس قدر وسعت ظرف رکھتا ہے وہی ایسی فکری انتہا پسندی کو اعتدال کی راہ پر لاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس کی بڑی شہادت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ: ''الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ''(۲۹) (حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا دین زیادہ محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جو یکسوئی والا اور وسعت ظرفی والا ہے)۔ ایک اور حدیث شریف میں دینِ اسلام کی وسعتِ ظرفی یوں بیان کی گئی ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : كَانَتِ امْرَأَةُ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ امْرَأَةً جَمِيلَةً عِطْرَةً ، تُحِبُّ اللِّبَاسَ ، وَالْهَيْأَةَ لِزَوْجِهَا ، فَزَارَتْهَا عَائِشَةُ وَهِيَ تَفِلَةٌ قَالَت : مَا حَالُكِ هَذِهِ ؟ قَالَتْ : إِنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ ، وَعُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ قَدْ تَخَلَّوْا لِلْعِبَادَةِ ، وَامْتَنَعُوا مِنَ النِّسَاءِ ، وَأَكْلِ اللَّحْمِ وَصَامُوا النَّهَارَ ، وَقَامُوا اللَّيْلَ ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُرِيَهُ مِنْ حَالِي مَا يَدْعُوهُ إِلَى مَا عِنْدِي لِمَا يُخَلِّي لَهُ ، فَلَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْلَهُ ، فَحَمَلَهَا بِالسَّبَّابَةِ مِنْ إِصْبَعِهِ الْيُسْرَى ، ثُمَّ انْطَلَقَ سَرِيعًا حَتَّى دَخَلَ عَلَيْهِمْ ، فَسَأَلَهُمْ عَنْ حَالِهِمْ ، قَالُوا : أَرَدْنَا الْخَيْرَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّمَا بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ ، وَلَمْ أُبْعَثْ بِالرَّهْبَانِيَّةِ الْبِدْعَةِ ، أَلاَ وَإِنَّ أَقْوَامًا ابْتَدَعُوا الرَّهْبَانِيَّةَ فَكُتِبَتْ عَلَيْهِمْ ، فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ، أَلاَ فَكُلُوا اللَّحْمَ ، وَائْتُوا النِّسَاءَ ، وَصُومُوا وَأَفْطِرُوا ، وَصَلُّوا وَنَامُوا ، فَإِنِّي بِذَلِكَ أُمِرْتُ(۳۰). (حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: حضرت عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ ایک خوبرو اور نفیس خاتون تھیں، اپنے شوہر کو نفیس اور عمدہ لباس اور شکل میں دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کے پاس گئیں تو انہیں کچھ ناخوش گوار پایا اور پوچھا: یہ کیا حال بنایا ہے؟ وہ بولیں: نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہؓ نے عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ان میں علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور عثمان بن مظعونؓ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے عورتوں سے بھی دوری اختیار کرلی ہے اور گوشت کھانا بھی چھوڑ دیا ہے۔ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو نفل پڑھتے رہتے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں ان کے سامنے ایسے تیار ہو کر جاؤں جس سے انہیں اپنی اختیار کردہ حالت ترک کرکے

میری طرف میلان ہونے کی ترغیب ہو۔ نبی کریم ﷺ جب گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ماجرا سنا دیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ اپنا جوتا مبارک لیا، اسے اپنی بائیں انگلی پر لٹکایا، پھر تیز تیز قدم مبارک اٹھاتے ہوئے ان حضرات کے پاس پہنچے اور ان سے اصل معاملہ دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا: ہمارا مقصد تو نیک ہی تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے تو یکسوئی والا اور وسعت والا دین دے کر بھیجا گیا ہے، بے بنیاد رہبانیت دے کر نہیں بھیجا گیا۔ خبردار! ایک قوم نے رہبانیت کو گھڑ لیا تو وہ ان کے ذمے ہی ڈال دی گئی، پھر انہوں نے اس کا کماحقہ لحاظ بھی نہیں رکھا۔ سنو! گوشت بھی کھایا کرو، عورتوں کے پاس بھی جایا کرو، روزے رکھا کرو تو افطار بھی کیا کرو، نماز بھی پڑھا کرو اور نیند بھی کیا کرو کیوں کہ مجھے انہی باتوں کا حکم دیا گیا ہے)۔ جس دین کی یہ تعلیمات ہوں اسے تنگ نظری، تعصب، انتہا پسندی وغیرہ کے القاب دینا کسی ناواقف کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی تنگ دامانی میں وسعت اسی دین کے مطالعہ سے ہی آسکتی ہے۔ اس دین کا جو نقشہ سیکولر انتہا پسندوں کی طرف سے پیش کیا جارہا ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عملی وسعتِ ظرفی کی ایک مثال اس حدیث شریف سے معلوم ہو سکتی ہے: عن بن عمر قال قلت قال رسول الله : الوضوء من جر جديد مخمر أحب إليك أم من المطاهر فقال لا بل من المطاهر إن دين الله الحنيفية السمحة قال وكان رسول الله يبعث إلى المطاهر فيؤتى بالماء فيشربه يرجو بركة أيدي المسلمين لم يرو هذا الحديث عن عبد العزيز بن أبي رواد إلا حسان بن إبراهيم(۳۱)۔ (حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے، کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: آپ ﷺ کنویں سے تازہ نکلے ہوئے، ڈھکے ہوئے پانی سے وضو کرنا زیادہ پسند فرماتے ہیں یا اسی پانی سے جس سے لوگ وضو کرتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ عام وضو والے پانی سے۔ اللہ کا دین یکسوئی والا اور وسعت والا ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ عام لوگوں کے وضو کا بچا ہوا پانی منگوا کر اسے نوش فرمایا کرتے تاکہ مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت حاصل کریں)۔ اِن احادیث شریفہ میں اسلام کی وسعت ظرفی کی اعلیٰ مثال موجود ہے۔

نتائجِ تحقیق

فکری انتہا پسندی اور اعتدال کی راہ

۱. اِسلام سلامتی اور عدل کا دین ہے، یہ عدلِ انفرادی کا قیام بھی یقینی بناتا ہے اور عدلِ اجتماعی کی بھی ضمانت دیتا ہے۔

۲. فکری انتہا پسندی میں اعتدال کا قرآنی اصول کُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ۔۔۔۔ [المائدہ ۵:۸]

۳. اعتدال نہ ہو تو تعصب پیدا ہوتا ہے، پھر شدت پسندی آتی ہے اور اس کی مزید ترقی یافتہ صورت انتہا پسندی ہوتی ہے۔

انتہا پسندی کی کچھ علامات:

انتہا پسند اپنے موقف کو حقیقی اور اپنے دلائل کو قطعی سمجھتا ہے۔ وہ مختلف سوچ رکھنے والے کو اپنے وجود کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔

a. انتہا پسند اختلاف برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ وہ افہام تفہیم کی بجائے لعن طعن کرنے کا سہارا لیتا ہے اور دوسروں کو بد نام کرتا ہے۔ اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات مانیں اور اس کے گرد جمع رہیں۔

b. انتہا پسند سے جب کچھ نہیں بن پاتا تو وہ آخری معرکے کا انتظار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ تصور دینی انتہا پسندوں، اشتراکیت پسندوں، بے دینوں اور لادینوں سب میں ہوتا ہے۔

c. انتہا پسند ذرا سی مماثلت، شبہ یا شک کی بنا پر عمومی حکم (جرنلائز) صادر کر دیتا ہے۔

d. انتہا پسند دوہرا معیار اپناتا ہے، اپنی فکر کے حق میں جو بات ہو اسے بلا دلیل مان لیتا ہے جب کہ دوسروں سے دلائل مانگتا ہے۔ وہ صرف اپنی بات سنانا پسند کرتا ہے کسی کی سننا پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنے بڑے پن کا دعویدار ہوتا ہے۔

e. انتہا پسند اپنے مشن کی تکمیل کے لئے دینی اور اخلاقی اقدار کو پامال کرنے کو بھی جائز سمجھتا ہے۔ اس کے لئے وہ جھوٹ بولتا ہے، قسمیں کھاتا ہے، وعدے توڑ دیتا ہے اور معاشرتی عدل کی خلاف ورزی کر جاتا ہے۔

f. انتہا پسند ہر فکر میں پائے جاتے ہیں دینی فکر میں بھی، کفر و الحاد میں بھی، اشتراکیت میں بھی اور سیکولر سوچ میں بھی۔

g. انتہا پسندی کی ابتدا تنگ نظری سے ہوتی ہے، پھر تعصب، پھر انتہا پسندی اور پھر دہشت گردی ہوتی ہے۔

۵۔ انتہا پسندی کی نمایاں صورتیں: بین المذاہب انتہا پسندی، فقہی مذاہب میں انتہاء پسندی، فرقہ وارانہ انتہا پسندی اور مذہبیت ولامذہبیت کے درمیان انتہا پسندی۔

- پاکستان میں مختلف مذاہب کے درمیان فکری انتہا پسندی نہ ہونے کے برابر ہے۔

پاکستان کی ۱۷ کروڑ ۹۳ لاکھ آبادی میں سے ۹۶ فیصد مسلمان اور تقریبا ۷۰ لاکھ غیر مسلم ہیں۔ یعنی مسلمان ۹۷٫۰%، ہندو ۱٫۵%، عیسائی ۱٫۵%، دیگر مذاہب ۰٫۱۰%۔

پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ پاکستان کے مسلمان شہریوں کی فکری محاذ آرائی نہ ہونے کے برابر ہے۔
بعض مذہبی طبقات کے درمیان کبھی کبھی جو تنازعات کی صورت سامنے آتی ہے اس کی وجوہات فکری نہیں بلکہ سیاسی یا معاشرتی ہیں۔ جیسے عیسائی شہریوں کا پیشۂ صفائی وغیرہ یا پھر عالمی طور پر مسلط بدامنی میں سے انہیں بھی اسی طرح حصہ ملتا ہے جیسے معاشرے کی مسلم آبادی کو۔
پاکستانی قوم افہام تفہیم کے قرآنی اصول کی پابند ہے۔ اس کی عمدہ مثال قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر تمام انبیاء اور رُسل کا عزت و احترام کے ساتھ تذکرہ فرمایا گیا، تمام امتوں کو ملنے والے آسمانی دین کو ایک ہی دین قرار دیا گیا اور شرائع سابقہ کے متبعین کو یَاأَهْلَ الْكِتَابِ کے معزز و محترم لقب سے پکارا۔
ملک کی پہلی قانون ساز اسمبلی میں قائدِ اعظم کے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کے خطاب میں اقلیتوں کو مسلم اکثریت جیسے شہری حقوق دیے گئے۔
آئینِ پاکستان ۱۹۵۶ء : آرٹیکل ۱۹۸ (۴) : اس آرٹیکل میں شامل کوئی چیز غیر مسلم شہریوں کے شخصی قانون یا شہریوں کے طور پر ان کی حیثیت یا آئین کی کسی دفعہ پر اثر انداز نہیں ہو گی۔
آئینِ پاکستان ۱۹۶۲ء :آرٹیکل ۱۹۹ میں قوانین کو اسلامیانے کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شہریوں کو اسی طرح تحفظ دیا گیا ہے۔
آئین ۱۹۷۳ء : آرٹیکل ۲۲۷ (۳) اِس حصے میں کسی امر کا غیر مسلم شہریوں کے قوانین یا بطورِ شہری ان کی حیثیت پر اثر نہیں پڑے گا۔
قومی کمیشن برائے امن و انصاف نامی این جی او کی رپورٹ کے مطابق بین المذاہب تعلقات کے ضمن میں پاکستان کی زیادہ تر اقلیتی خواتین یعنی ۵۵ فیصد عورتوں کا خیال ہے کہ پاکستان کا عمومی ماحول ان کے لیے سازگار ہے۔
اگر کہیں بین المذاہب فکری مسائل پیدا ہو جائیں تو اس کے لیے اعتدال کی راہ انہیں راہ نما اصولوں سے معلوم کی جا سکتی ہے جو شریعت اسلامیہ نے اور دستورِ پاکستان نے مہیا کیے ہیں۔
پاکستان میں فقہی مذاہب کے درمیان انتہا پسندی کا تعلق ہے تو یہاں فقہی مذاہب کا وہ رواج نہیں جو بہت سے عرب ممالک میں ہے، یہاں اکثریت فقہِ حنفی کی پیروکار ہے، فقہِ شافعی کا کہیں ذرہ بھر وجود ہے مگر وہ اس قدر کم ہے کہ اس کا کوئی حوالہ بہت کم آتا ہے۔ اس لیے فقہی مذاہب میں انتہاء پسندی تو کیا عملی طور پر یہاں فقہی شدت پسندی کا وجود بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔
البتہ پاکستان میں ایک فکری طبقہ اہلِ حدیث کا فقہی پہلو ایک حد تک اس زمرے میں آجاتا ہے۔ حنفیّہ اور غیر

مقلدین یا اہلِ حدیث میں عبادات کے مخصوص مسائل میں ہی زیادہ تنازعات زیادہ ہیں، یہ تنازعات شدت پسندی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں مگر انتہاپسندی کے زمرے میں داخل نہیں ہوتے۔

مولانا مودودیؒ نے شیعہ امامیہ کو بھی ایک فقہی طبقہ شمار کیا ہے۔ اور سنی، شیعہ اہلِ حدیث کے درمیان ۱۹۵۱ء کے ایک ماہدے کے تحت یہ تجویز دہرائی ہے کہ ملکی قانون (Law of Land) اکثریت کے مسلک پر مبنی ہو اور ہر فقہی مذہب کے پیروؤں کو حق دیا جائے گا کہ اُن کے شخصی معاملات اُن کے اپنے پرسنل لاء کے مطابق طے کئے جائیں۔

مختلف مذاہب کے اعتقادی اختلافات میں ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم رہے اور سب ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتیں۔

مذاہبِ فقہیہ میں اعتدال کی راہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے :اِذَا اِجْتَهَدَ الحَاكِمُ فَاَصابَ فَلَه اَجْرَانِ وَاِنْ اَخْطَاءَ فَلَه اَجْرٌ وَّاحِدٌ-

امام شافعیؒ قول ہے : رَأْيِي صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَاءُ، وَرَاىٌ غَيْرِيْ خَطَاءٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابُ.

پاکستان میں فکری انتہاء پسندی کا تیسرا مظہر نمایاں اسلامی فرقے ہیں دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور اہل حدیث یعنی غیر مقلد علماء ہیں۔

ان کے درمیان کلامی اور فکری اختلافات بہت واضح ہیں جو شدت اختیار کرتے کرتے انتہاء پسندی اور تشدد تک پہنچ جاتے ہیں۔

ان کے واعظین اور مفتی صاحبان ایک دوسرے کو کافر، مشرک اور منافق بھی کہتے ہیں۔ بعض طبقات کے عسکری ونگ بھی فعال ہیں جو قتل وغارت بھی کرتے ہیں۔

اس میں راہِ اعتدال تلاش کرنے کے لیے تاریخِ اسلامی میں فکری اختلافات کے کچھ نمونوں سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ منورہ منافقین کا گروہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ نبی کریم ﷺ کو منافقین کا حال تفصیل سے بتایا گیا اور ان کے نام بھی بتا دیے گئے مگر آپ ﷺ نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی صرف اس لئے نہیں فرمائی کہ اسے مسلمانوں کی آپس میں جنگ سے تعبیر نہ کیا جائے۔''دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ''-، ''مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَتَسَامَعَ الْأُمَمُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ''-

فرقوں کے درمیان فکری انتہاء پسندی کم کرنے کے لیے یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ کوئی فرقہ دوسرے فرقے پر تشدد

کی پالیسی نہیں اپنائے گا۔

دوسرا یہ کہ لیڈر ہمت کرکے اپنے پیروکاروں کو اپنے بارے میں غیر معمولی باتیں کرنے اور انہیں سب سے اعلیٰ قرار دینے سے روکیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ''۔اسی طرح حضرت علیؓ کا ارشاد بھی منقول ہے: ليحبنى أقوام حَتَّى يدخلهم حبى النَّار وليبغضنى أقوام حَتَّى يدخلهم بغضى النَّار۔

مسلمان فرقوں میں فکری اعتدال کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ان میں پر امن مکالمے کی فضا قائم کی جائے۔ واصل بن عطاء [معتزلی] اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستے میں خوارج کے ایک جتھے سے ملاقات ہوئی، خوارج نے پوچھا: تم کون لوگ ہو تو انہوں نے کہا: ہم تمہارے ہاں پناہ لیتے ہیں تاکہ تم سے کلام اللہ سنیں، انہوں نے ان لوگوں کو اپنے فہم کے مطابق قرآن کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم نے قرآن کی دعوت قبول کی، وہ کہنے لگے: پھر اس راہِ ہدایت پر قائم رہو، واصل نے کہا: ہم آپ لوگوں کی بات اس وقت تک نہیں مان سکتے جب تک تم لوگ ہمیں امن وامان سے ہمارے پر امن ٹھکانے تک نہ پہنچا دو، کیوں کہ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے: وإن أحدٌ من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام اللّه ثم أبلغه مأمنه۔ [التوبۃ۹:۶]۔ جماعتِ خوارج نے یہ سنا تو واصل اور ان کے ساتھیوں کو خود جائے امن تک پہنچا کر آئے۔

چوتھی فکری طبقہ بندی لادینی (Secular) طبقہ بندی ہے۔اس طبقے میں دین سے متعلقہ ہر چیز کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں دینی سوچ کو بدلنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

پاکستان میں سیکولر انتہا پسندی کی واضح صورت یہ ہے کہ ملکی میڈیا پر نظریۂ پاکستان کو متنازع بنانے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، آئے روز اس پر مذاکرے ہوتے ہیں۔

قیام پاکستان کا فیصلہ ہو جانے کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک کی پہلی قانون ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں جو تقریر کی تھی اس کا حوالہ بکثرت دیا جاتا ہے جس میں انہوں نے تمام مذاہب کی آزادی کی بات کی۔

عصرِ حاضر کے کالم نگار اور سیاست دان ایاز میر نے بھی نظریۂ پاکستان کی یہی تعبیر دہرائی ہے، کہتے ہیں: قیام پاکستان کے وقت دو مختلف نظریات میں مسابقت چل رہی تھی، ایک قائدِ اعظم کا سیکولرازم، دوسرے وہ اسلامی نعرے جنہوں نے تحریک پاکستان میں تیزی پیدا کی، سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے قائدِ اعظم کے پاس ان نعروں پر

انحصار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ آزاد ملک حاصل کرنے کے بعد ان اگرچہ ان نعروں کی ضرورت ختم ہو گئی، تب ضرورت اس امر کی تھی کہ جدید جمہوری ری پبلک کی تشکیل پر توجہ مرکوز کی جائے۔

قائدِ اعظم کی تقریر دراصل غیر مسلموں کو ان کے حقوق کے تحفظ کی یقینی دہانی تھی، نظریۂ پاکستان بدلنے کا فیصلہ نہیں تھی۔ اس کے لیے غلبۂ اِسلام کے بعد نبی کریم ﷺ کے خطبۂ حجۃالوداع کا مضمون واضح مثال ہے۔

اس سوچ کے حوالے سے اعتدال کی راہ صرف دینِ اسلام کے عادلانہ مطالعہ اور صحیح نفاذ سے ہی مل سکتی ہے، وہی عدل اجتماعی کی ضمانت ہے اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس کی بڑی شہادت ہے: قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ: ''الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ''-هذا والله من وراء القصد

حوالہ جات و حواشی

(۱) ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان، چرچ ورلڈ مشن کی سروے رپورٹ، سوموار ۲۳ ستمبر ۲۰۱۳

(۲) http://ur.wikipedia.org/wiki، پاکستان میں اِسلام۔

(3) Ideological Foundation of Pakistan, Prof. Sharif al-Mujahid, Shariah Academy Islamabad, page 118

(۴) آئینِ پاکستان ۱۹۵۶

(۵) حوالہ آئینِ پاکستان ۱۹۶۲ء

(۶) آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء، حصہ نہم اسلامی احکام آرٹیکل ۲۲۷تا۲۳۱

(۷) روزنامہ خبریں، ۷ دسمبر ۱۹۹۷ء

(۸) روزنامہ جنگ ۱۰، مئی ۱۹۹۸ء

(۹) http://www.dw.de/%D9%، رپورٹ: تنویر شہزاد، لاہور، ادارت: عصمت جبیں

(۱۰) MuslimUnityPakistan/posts/654765401228240، (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رح ، تصریحات)،۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ: استفسارات، جلد دوم، ص ۳۲۹

(۱۱) تاریخ المذاهب الاسلامیہ، محمد ابوزہرہ، دار الفکر للطباعۃ والنشر، ۱۸/۱

(۱۲) مناقب امام اعظم ابو حنیفۃ، مصنف مولانا عبد الرزاق بہتر الوی ص ۴۱ ناشر مکتبہ لاثانیہ لاہور

(۱۳) صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ، باب بیان الاجر الحاکم اذا اجتھد فاصاب او اخطاء، حدیث نمبر ۱۷۱۶)

(۱۴) MuslimUnityPakistan/posts/654765401228240، (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رح ، تصریحات)، ۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ: استفسارات، جلد دوم، ص ۳۲۹

(۱۵) مسند الحمدی، ابوبکر عبداللہ ابن زبیر الحمیدی، (المتوفی: ۹۱۲ھ)، تحقیق حسن سلیم اسد الدارانی، دار السقا، دمشق ۱۹۹۲، احادیث جابر بن عبداللہ الانصاری ۲: ۳۲۷، تاریخ المدینہ، عمر ابن شبہ (المتوفی ۲۶۲ھ)، طباعت سید حسیب محمود احمد، جدۃ، ۱۳۹۹، خبر عبداللہ ابن ابی ابن سلول ۱: ۳۶۵

(۱۶) مسند الإمام أحمد بن حنبل، تحقیق: شعیب الأرنؤوط وغیرہ، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۱ء، مسند جابر بن عبداللہ ۲۳: ۱۲۳

(۱۷) المعجم الأوسط، إبو القاسم سلیمان بن إحمد الطبرانی، دار الحرمین - القاہرۃ، ۱۴۱۵، تحقیق: طارق بن عوض اللہ بن محمد، عبد المحسن بن إبراہیم الحسینی، باب من اسمہ موسیٰ ۸: ۱۰۲

(۱۸) مسند الإمام احمد بن حنبل، إول مسند عمر بن الخطاب، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱: ۲۹۵

(۱۹) التنبیہ والرد علی أھل الأھواء والبدع، محمد بن إحمد بن عبد الرحمٰن، إبو الحسین الملَطی العسقلانی (المتوفی: ۳۷۷ھ)، المحقق: محمد زاہد بن الحسن الکوثری، الناشر: المکتبۃ الأزہریۃ للتراث ــ مصرا: ۱۵۷، الاقتصاد فی الاعتقاد، ابو حامد، الغزالی (المتوفی ۵۰۵ھ)، تحقیق عبداللہ محمد الخلیلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۴ھ۔

(۲۰) حوالہ سابقہ ۱: ۱۵۷

(۲۱) عیون الأخبار، ابن قتیبۃ الدینوری ۱: ۸۴

(۲۲) اغاثۃ اللہ فان ۲: ۳۷۴

(23) http://www.alarabiya.net/articles/2007/03/01/32181.html

(۲۴) نقطۂ نظر، روشن منزلوں کا حصول، ہفتہ ۲۹ جمادی الثانیۃ ۱۴۳۱ھ - ۱۲ جون ۲۰۱۰م

(۲۵) انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، مباحث ستمبر ۲۰۱۰، ص ۱۱

(۲۶) سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، محمد بن یوسف الصالحہ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳م ۸: ۴۸۲

(۲۷) ماخوذ از مقالہ ''خدا سے بغاوت کے مجرم'' تحریر کالم نگار غلام اکبر، نوائے وقت، جمعرات ۱۶ جنوری ۲۰۱۴ء

(۲۸) حوالہ سابقہ

(۲۹) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب ۴: ۱۶

(۳۰) المعجم الكبير، ابو القاسم الطبرانی المتوفی: ۳۶۰ھ، دار إحياء التراث العربی ۸: ۲۰۰

(۳۱) المعجم الأوسط، ابو القاسم الطبرانی، دار الحرمين-القاہرۃ، ۱۴۱۵ھ ۱: ۲۴۲

☆☆☆☆☆☆☆☆